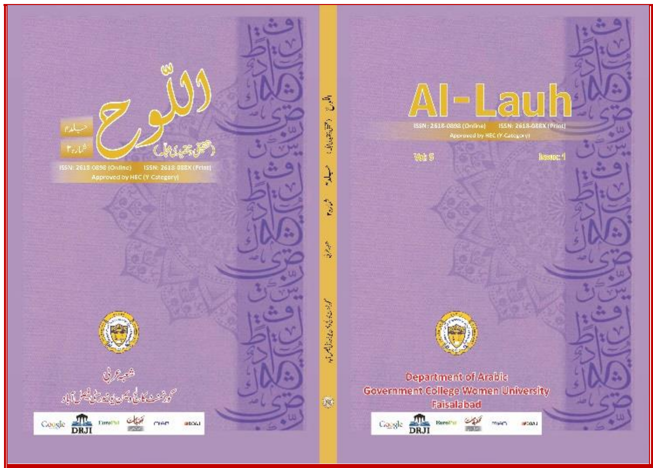

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

Al-Lauh

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2618-088X. (E) 2618-0898

Project of **Govt. College Women University Faisalabad,**

Madina Town, Faisalabad, Pakistan.

Website: www.allauh.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: Euro Pub, Journal Factor, DOAJ, DRJI, Urdu Jaraid, Asian Research Index

TOPIC

خاسرین کی سزا، انبیائے کرام کا خوفِ خسارہ، اور نجات کے اصول: ایک قرآنی مطالعہ

The Punishment of the Losers (Al-Khāsirin), the Prophetic Fear of Spiritual Loss, and the Principles of Salvation: A Qur'anic Study

AUTHOR

1. Laraib Mushtaq, Research Scholar, GC University, Lahore
2. Dr. Uzma Saffat, Assistant Professor, Department of Arabic and Islamic Studies, GC University, Lahore

How to Cite: https://allauh.pk/

https://allauh.pk/index.php/allauh/issue/view/4

Vol. 5, No.1 || January to June 2026 ||

Published online: 30-06-2026

خاسرین کی سزا، انبیائے کرام کا خوفِ خسارہ، اور نجات کے اصول: ایک قرآنی مطالعہ

The Punishment of the Losers (Al-Khāsirin), the Prophetic Fear of Spiritual Loss, and the Principles of Salvation: A Qur'anic Study

لاریب مشتاق[1]   ڈاکٹر عظمیٰ صفات[2]

Abstract:
This research article examines the Qur'ānic concept of loss by highlighting its major causes, consequences, historical examples, and the prophetic attitude towards it. Human loss is not limited to false beliefs alone; rather, negligence, disobedience, moral corruption, and wrongful actions also lead a person towards destruction in this world and the Hereafter. The study discusses the punishments and consequences faced by the heedless and those who turned away from divine guidance. It further presents examples of loss and ruin among previous nations as mentioned in the Holy Qur'ān, showing how denial, arrogance, and persistent sin became the causes of their downfall. Moreover, the article explains that despite being chosen and protected by Allah, the Prophets were deeply conscious of accountability, feared every path leading to loss, and continuously warned their nations against actions that result in ruin. The study concludes that the Qur'ānic narratives of past nations and the conduct of the Prophets provide lasting guidance for humanity to avoid loss and attain success.

Keywords: Khusran, Quranic punishments, Previous Nations, Prophetic Guidance, Fear of Loss.

تمہید:

خسارہ کا مطلب صرف مال کی تجارت میں نقصان نہیں ہے، کسی چیز کا کم ہونا یا گھٹ جانا اور ہارنا بلکہ گمراہی، ہلاکت، ان سب کو خسارے کے معنی میں شمار کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں وہ تمام لوگ خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کی تجارت ایسے کاموں میں کی جن کا انجام دنیا اور خصوصاً آخرت میں بربادی ہے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کی رحمت سے محروم ہوں گے اور اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہو سکتا ہے۔ وہ کام کیا ہیں، اوّل تو ان کے عقائد درست نہیں ہوتے کہ وہ کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے' اگر عقائد درست ہوتے بھی ہیں تو ان میں ایسے اعمال شامل ہو جاتے ہیں جو ان کے خسارے کا سبب بنتے ہیں۔ اگر وہ اللہ پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو جانتے بوجھتے ہوئے یا انجانے میں اس کی ذات اور صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ اگر وہ آخرت پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو عملی لحاظ سے اس کے منکر ہو جاتے ہیں' آخرت میں اللہ کے سامنے جوابدہی کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اگر وہ آیات الٰہی پر ظاہراً ایمان رکھتے بھی ہیں تو عملاً احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ نام کے مسلمان ہو کر مادی وسائل میں گم رہتے

ہیں۔ اسی طرح دنیوی مفادات کے تحت کفار سے دوستی کرنا اور ان کی پیروی کرنا، اللہ کی اچانک پکڑ سے بے خوف ہو کر نافرمانی کرتے چلے جانا، اللہ کے دیے ہوئے مناصب پر خدا بن کر بیٹھ جانا کہ میں جو چاہوں کروں اور یہ بھول جانا کہ ان اختیارات کی جواب دہی بھی کرنی ہے، اللہ کے علم کو اور اس کی قدرت کو محدود سمجھنا کہ اسے صرف ظاہری اور محدود اشیاء کا علم ہے، ہم جو چاہیں کریں، یا پھر عقائد درست ہوں بھی تو ایسے اعمال کرنا جو انسان کو خسارے کی طرف لے جائیں جیسے افتراء علی اللہ (اپنی مرضی سے حلال اور حرام کا تعین کرنا، کسی بھی بات کو اٹھا کر اسلام سے منسوب کر دینا، شدت پسندی، جس میں اللہ کی طرف سے دی گی آزادی اور آسانی کو مشکل بنانا یا اسے ختم کرنا)، اسلام کو مفاد کیلئے استعمال کرنا (ضرورت پڑنے پر اللہ کو یاد کرنا، اسلام پر اس وقت تک عمل کرنا جب تک وہ دنیوی فائدوں اور نفسانی خواہشات کے ساتھ نہ ٹکرائے)، لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اس میں ٹیڑھا پن تلاش کرنا (جیسے مستشرقین، اسلام پر بے جا تنقید و تحقیق کرتے ہیں، اسلام کے قوانین کو ظالم کہنے والے اور یہ کہنے والے کہ اسلام آزادی کو ختم کرتا ہے)، مال و اولاد میں مصروف ہو کر اللہ سے غافل ہو جانا، کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو میزان قائم کیا ہے اسے خراب کرنا، عہد کی خلاف ورزی کرنا (ہر شخص کسی نہ کسی عہد کا پابند ہے یعنی اللہ کو ایک ماننا نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنا، معاشرے میں لوگوں کے حقوق ادا کرنا خصوصاً قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا وغیرہ)، اور ایسے لوگ جو زمین میں کسی بھی طرح سے فساد برپا کرتے ہیں۔ لہٰذا صرف عقیدے کا درست ہونا انسان کو خسارے سے نہیں بچا سکتا جب تک کہ اس کے اعمال بھی درست نہ ہوں۔ اس مقالے میں عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کیلئے قرآنی آیات کی روشنی میں خاسرین کی سزا اور پچھلی قوموں میں خسارہ کی مثالوں کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز انبیا کرام علیہ السلام کے خوف خسارہ کو بیان کیا گیا ہے۔

خاسرین کی سزا

اعمال کی بربادی

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا- اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا- اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا- ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِیْ وَ رُسُلِیْ هُزُوًا- [1]

"(اے محمد ﷺ)، ان سے کہو، کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا۔ اس لیے ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔ ان کی جزا جہنم ہے اُس کفر کے بدلے جو انہوں نے کیا اور اس مذاق کی پاداش میں جو وہ میری آیات اور میرے رسولوں کے ساتھ کرتے رہے۔"

مولانا عاشق الٰہی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ یہود و نصاری اور مشرکین و کفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی مدد کر گزرتے ہیں، یا اللہ کے ناموں کا ورد رکھتے ہیں الی غیر ذالک اس قسم کے کام بھی آخرت میں ان کو نجات نہ دلائیں گے۔ سادھو اور سنیاسی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے ان کے اس قسم کے تمام افعال بے سود ہیں، آخرت میں کفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردہ ہیں۔ وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔ ان (کافروں) کے لیے ترازو نصیب ہی نہ کی جائے گی اور تولنے کا معاملہ ان کے ساتھ ہوتا ہی نہیں کیونکہ ان کے عمال وہاں اکارت ہو جائیں گے لہٰذا سیدھے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ ۲ ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے یہ کون لوگ ہیں؟ ایسے لوگ جنہیں آخرت مطلوب ہی نہیں ان کی ساری تگ و دو اور سوچ بچار دنیا کمانے کے لیے ہے۔ آخرت کے لیے انہوں نے نہ تو کبھی کوئی منصوبہ بندی کی اور نہ ہی کوئی محنت۔ بس برائے نام اور موروثی مسلمانی کا بھرم رکھنے کے لیے کبھی کوئی نیک کام کر لیا کبھی نماز بھی پڑھ لی اور کبھی روزہ بھی رکھ لیا۔ مگر اللہ کو اصل میں ان سے مقصود و مطلوب کیا ہے؟ اس بارے میں انہوں نے کبھی سنجیدگی سے سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ ایسے لوگوں کو ان کی محنت کا صلہ حسب مشیت الٰہی دنیا ہی میں مل جاتا ہے جبکہ آخرت میں ان کے لیے سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں۔ ۳

وقت کے ضیاع کا احساس

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ۴

"(آج یہ دنیا کی زندگی میں مست ہیں) اور جس روز اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو (یہی دنیا کی زندگی انہیں ایسی محسوس ہو گی) گویا یہ محض ایک گھڑی بھر آپس میں جان پہچان کرنے کو ٹھہرے تھے۔ (اس وقت تحقیق ہو جائے گا کہ) فی الواقع سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہرگز وہ راہ راست پر نہ تھے۔"

معالم التنزیل میں بیان ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا وہ اپنی قبروں میں نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی "یتعارفون بین ھم" ایک دوسرے کو پہنچانتے ہوں گے۔ جب وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے جیسے دنیا میں پہچانتے تھے۔ پھر جب قیامت کی ہولناکیاں دیکھیں گے تو پہچان ختم ہو جائے گی اور بعض آثار میں ہے کہ انسان قیامت کے دن اپنے پہلو والوں کو پہچانتا ہو گا لیکن ہیبت اور خوف سے بات نہ کر سکے گا۔ "قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ وما کانوا مھتدین" یہاں خسارہ سے جان کا خسارہ مراد ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔ ۵ مولانا عبدالماجد اس ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ آج بھی انسان حالت نوم میں خواب کیسے بڑے بڑے دیکھتا ہے اور ان خوابوں میں کیسی کیسی طویل مدتیں طے کرتا ہے لیکن جب بیداری

مبہم کے عالم میں آجاتا ہے تو احساس یہ ہوتا ہے کہ ابھی دم بھر ہی سویا تھا۔ احساس زمان ہر عالم میں دوسرے عالم سے مختلف اور اپنے مخصوص ماحول کا تابع ہوتا ہے۔٦

علامہ غلام رسول سعیدی کے مطابق اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کفار دنیا میں قیام کو بہت کم خیال کریں گے، اسی طرح ایک اور آیت میں بھی فرمایا: قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ- قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ-(المومنون: ۱۱۲۔۱۱۳) اللہ فرمائے گا (بتاؤ) تم کتنے سال زمین میں ٹھہرے؟ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ وہ دنیا میں قیام کو کم کیوں گمان کرتے تھے، اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں: (۱) چونکہ کفار نے اپنی عمروں کو دنیا کی طلب اور لذتوں کی حرص میں ضائع کر دیا اور دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کا انہیں آخرت میں نفع ہوتا تو ان کا دنیا میں زندگی گزارنا اور نہ گزارنا دونوں برابر تھے اس لیے انہوں نے دنیا کی زندگی کو کم سمجھا۔ (۲) جب وہ آخرت کے دہشت ناک امور دیکھیں گے تو انہیں دنیا کی گزاری ہوئی زندگی بھول جائے گی۔ (۳) آخرت کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں انہیں دنیا کا قیام کم معلوم ہو گا۔ (۴) محشر کے طویل دن کے مقابلہ میں (جو پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا) انہیں دنیا میں قیام کم معلوم ہو گا۔ (۵) ہر چند کہ انسان کو دنیا میں لذتیں بھی حاصل ہوتی ہیں مگر وہ لذتیں آلام اور مصائب کے ساتھ مقرون ہوتی ہیں اور آخرت کا عذاب خالص عذاب ہوتا ہے اس لیے دنیا کی لذتیں بہت بھی ہوں تو تھوڑی معلوم ہوں گی۔٧

حسرت اور گناہوں کا بوجھ:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ٨

"نقصان میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے اپنی ملاقات کی اطلاع کو جھوٹ قرار دیا جب اچانک وہ گھڑی آجائے گی تو یہی لوگ کہیں گے "افسوس! ہم سے اس معاملہ میں کیسی تقصیر ہوئی" اور ان کا حال یہ ہو گا کہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے دیکھو! کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔"

معالم العرفان میں اس ضمن میں مختلف روایات بیان کی گئی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! یاد رکھو! خیانت نہ کرنا، جو آدمی خیانت کا مرتکب ہو گا، تو ہر خیانت شدہ چیز کو اپنی گردن پر اٹھائے گا، اگر کسی کی بکری چوری کی ہے تو قیامت والے دن اسے اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ اگر گائے بھینس خیانت کی ہے تو اسے بھی اٹھانا پڑے گا، اونٹ چوری کیا ہے یا کوئی اور چیز غصب کی ہے تو ہر چیز اسے اپنے سر پر اٹھانی ہو گی حتی کہ اگر کسی کی ایک بالشت زمین بھی دبائی ہے تو طُوِّقَهُ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ تو ساتوں زمینوں تک کے اس ٹکڑے کو گلے کا طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا اور وہ اسے کھینچ کر لائے گا۔ قیامت کے حالات کو اس دنیا کے حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہئے وہاں کے حالات بالکل مختلف ہوں گے اللہ تعالی انسان کے

جسم میں اتنی طاقت پیدا کر دیں گے کہ بڑی سے بڑی چیز بھی اٹھانے کے قابل ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بتایا ہے وہ برحق ہے۔ ہر نیکی بدی کو اپنی پشت پر اٹھانا ہو گا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے نیک اعمال ان کے لئے سواری کا کام دیں گے، اس کے برخلاف برے لوگوں کے برے اعمال خود ان لوگوں پر سواری کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا معروف جب اس کے قریب آئے گا تو اس کو خوشخبری دے گا۔ اور جب منکر متعلقہ آدمی کے قریب آئے گا تو وہ شخص کہے گا کہ تو پیچھے رہ مگر وہ منکر اس کے ساتھ آکر چمٹ جائے گا۔ یہ تو قیامت کے دن کا حال ہے اور برزخ کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے نیک اعمال خوبصورت انسانی شکل میں متشکل ہو کر اس کے پاس قبر میں آئیں گے تو وہ متعجب ہو کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں جو تیرے ساتھ مانوس ہونے کے لئے آیا ہوں تا کہ تجھے قبر میں وحشت نہ ہو۔ فرمایا انسان کے برے اعمال نہایت قبیح شکل میں اس کے پاس آئیں گے جنہیں دیکھ کر وہ سخت خوفزدہ ہو گا، امام شاہ ولی اللہ (رح) بھی فرماتے ہیں کہ برے اعمال خاص شکلوں میں آکر انسان کے اوپر سوار ہو جائیں گے اور ان کا بڑا بوجھ ہو گا۔ یہ بوجھ لوگ اپنی گردنوں اور پشتوں پر اٹھائیں گے۔ اللہ نے فرمایا اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ بہت بڑا بوجھ ہے جسے وہ اٹھائیں گے۔ انہوں نے معاد کا انکار کیا مگر آج اس کا بدلہ چکھ لیں گے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس چیز کا وہ انکار کرتے رہے وہ برحق ہے اور آج وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہو گئے۔ ۹

مشاہدہ عذاب کے بعد ایمان کی عدم قبولیت:

فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَاؕ-سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖۚ-وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ۠ ۱۰

"مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کے لیے کچھ بھی نافع نہ ہو سکتا تھا، کیونکہ یہی اللہ کا مقرر ضابطہ ہے جو ہمیشہ اس کے بندوں میں جاری رہا ہے، اور اس وقت کافر خسارے میں پڑ گئے۔"

ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں کہ عذاب کے واضح آثار سامنے آجانے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور ایسے وقت کا ایمان اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ یہ اللہ تعالی کا اٹل قانون ہے اور اس قانون سے استثناء نوع انسانی کی پوری تاریخ میں صرف ایک ہی قوم کو ملا اور وہ تھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم۔ دراصل حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالی کی طرف سے ہجرت کی واضح اجازت آنے سے پہلے ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ۱۱ علامہ سعیدی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان مسلسل گناہ کرتا رہے اور مرتے وقت توبہ کرے یا جو شخص مسلسل کفر کرتا رہے اور مرتے وقت ایمان لائے اس کی توبہ قبول ہوتی ہے نہ اس کا ایمان قبول ہوتا ہے حدیث میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ موت نہ ہو۔ غرغرہ موت کا معنی ہے: جب آدمی کی روح نکل کر اس کے حلقوم تک پہنچ جائے اور اس کو موت کا یقین ہو جائے اس وقت آدمی کی توبہ قبول نہیں ہوتی اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جب آدمی

ملک الموت کو دیکھ لے لیکن یہ اکثری حکم ہے کلی نہیں ہے کیونکہ بعض لوگ ملک الموت کو نہیں دیکھتے اور بعض موت سے پہلے دیکھ لیتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان کی روح اس کے حلقوم تک پہنچ جائے یا وہ آثار عذاب کو دیکھ لے اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ۱۲

اللہ کی رحمت سے محرومی:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۱۳

"ان سے پوچھو، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟۔ کہو سب کچھ اللہ ہی کا ہے، اس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اس لیے وہ نافرمانیوں اور سرکشیوں پر تمہیں جلدی سے نہیں پکڑ لیتا قیامت کے روز وہ تم سب کو ضرور جمع کرے گا، یہ بالکل ایک غیر مشتبہ حقیقت ہے، مگر جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود تباہی کے خطرے میں مبتلا کر لیا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔"

انوار البیان، اس نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ وہ رحمت فرمائے گا۔ مومنین پر تو اس کی رحمت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے، اور اہل کفر کے ساتھ بھی دنیا میں مہربانی کا معاملہ ہے۔ اور اگر وہ بغاوت چھوڑ دیں اور ایمان قبول کر لیں اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کی تکذیب سے باز آجائیں تو آخرت میں بھی ان پر رحم ہو گا۔ سورۃ اعراف میں فرمایا (قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ) (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میرا عذاب ہے میں جسے چاہوں پہنچا دوں، اور میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے۔ سو میں اپنی رحمت کو لکھ دوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ ۱۴

کوئی سفارشی و مددگار نہ ہوگا:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِیْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۱۵

"اب کیا یہ لوگ اس کے سوا کسی اور بات کے منتظر ہیں کہ وہ انجام سامنے آجائے جس کی یہ کتاب خبر دے رہی ہے؟ جس روز وہ انجام سامنے آگیا تو وہی لوگ جنہوں نے پہلے اسے نظر انداز کر دیا تھا کہیں گے" واقعی ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، پھر کیا اب ہمیں کچھ سفارشی ملیں گے جو ہمارے حق میں سفارش کریں؟ یا ہمیں دوبارہ واپس ہی بھیج دیا جائے تاکہ جو کچھ ہم پہلے کرتے تھے اس کے بجائے اب دوسرے طریقے پر کام کر کے دکھائیں"۔۔۔۔۔ انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے تصنیف کر رکھے تھے آج ان سے گم ہو گئے۔"

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ یہ ساری باتیں، جو قرآن سنا رہا ہے، ہیں تو اٹل حقیقتیں لیکن چونکہ ابھی یہ واقعات کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتی ہیں بلکہ مستقبل کے پردے میں چھپی ہوئی ہیں اس وجہ سے منکرین ان کو خالی خولی دھمکی سمجھتے ہیں اور منتظر ہیں کہ یہ واقعات کی شکل میں ظاہر ہوں تو ان کو دیکھ کر یقین کریں گے۔ یَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ مطلب یہ ہے کہ جب یہ باتیں واقعات کی شکل میں ظاہر ہوں گی تو آج جن کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ پکار اٹھیں گے کہ ہمارے رب کے رسولوں نے جن باتوں سے ہمیں آگاہ کیا تھا وہ سب حقیقت ثابت ہوئیں۔ اس وقت حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ ہے کوئی سفارشی جو ہماری سفارش کرے یا ہے کوئی صورت کہ ہم دنیا میں پھر جائیں اور کچھ نیکی کمائیں لیکن ان کی یہ حسرت حسرت ہی رہے گی اس لیے کہ نیکی کی کمائی کا وقت نکل چکا ہوگا۔ جو وقت ان کو نیکی کمانے کے لیے ملا اس میں انہوں نے بدی کمائی اور جھوٹے سفارشیوں پر تکیہ کیے رہے۔ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ زندگی کی اصلی قیمت، جیسا کہ سورۃ العصر میں واضح فرمایا ہے، یہی ہے کہ اس میں نیکی کمائی جائے۔ جس نے نیکی نہ کمائی اس کی زندگی وبال بنی اور اس نے بڑے قیمتی سرمایہ سے اپنے لیے تباہی کا سودا کیا۔ ضَلَّ عَنْهُمْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے فرضی معبود سب خواب و خیال ثابت ہوں گے اس لیے کہ ان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ تھی ہی نہیں کہ انہوں نے اپنے جی سے گھڑ کے ان کو خدا کی طرف منسوب کر رکھا تھا کہ خدا نے ان کو اپنا شریک و شفیع بنایا ہے۔ ١٦

ذلت کے مارے کنکھیوں سے دیکھنا:

وَ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ وَ تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ١٧

"تم دیکھو گے کہ یہ ظالم جب عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ اور تم دیکھو گے کہ یہ جہنم کے سامنے جب لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اس کو نظر بچا بچا کر کن آنکھیوں سے دیکھیں گے۔ اُس وقت وہ لوگ جو ایمان لائے تھے کہیں گے کہ واقعی اصل زیاں کار وہی ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا ہے۔ خبردار رہو، ظالم لوگ مستقل عذاب میں ہوں گے۔"

سید قطب اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ ظالم چونکہ سرکش اور باغی تھے تو اللہ تعالی نے یوم الجزاء میں انہیں بظاہر ذلت کی حالت میں رکھا۔ یہ عذاب دیکھتے ہیں تو ان کی بڑائی دھڑام سے گرتی ہے اور نہایت ہی ذلت اور انکسار سے باہم بات کرتے ہیں کہ کوئی راستہ ہے پلٹنے کا ہے۔ اس بے تابانہ مایوسی کے مکالمے اور اس ذلت و خواری کی حالت میں جب آگ کے سامنے

پیش کئے جاتے ہیں تو حالت خشوع میں ہیں۔ تقویٰ اور احترام کی وجہ سے نہیں بلکہ ذلت اور خواری کی وجہ سے، وہ خود بھی سہمے ہوئے، جھکے ہوئے ہیں اور نظریں بھی نیچی ہیں۔ ذلت اور شرمندگی کی وجہ سے نظریں اٹھا کر نہ دیکھ سکیں گے۔ ۱۷ پیر محمد کرم شاہ نے اس خسارے کو یوں بیان کیا ہے کہ یونس کہتے ہیں کہ یہاں من بمعنی باء ہے۔ ای ینظرون بطرف خفی ای ضعیف من الذل والخوف یعنی ذلت اور خوف کے باعث ان کی آنکھوں کی بینائی کمزور ہو چکی ہو گی اور وہ کمزور آنکھوں سے جہنم کی طرف دیکھیں گے۔ ۱۸

شفاء سے محرومی:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۱۹

"ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے تو شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔"

معالم العرفان میں بیان ہے کہ اگرچہ قرآن پاک دوسرے درجے میں بسا اوقات ظاہری بیماریوں کے لیے بھی شفا بن جاتا ہے مگر اصلاً اس کی شفا روحانی لوگوں کے لیے ہی ہے جب بھی قرآنی آیات نازل ہوتی ہیں تو وہ روحانی بیماریوں کی شفا کا سبب بنتی ہیں۔ امام رازی (رح) فرماتے ہیں کہ روحانی بیماریوں کا تعلق عقیدے، اخلاق اور اعمال سے ہوتا ہے، قرآن پاک سب سے پہلے باطل عقیدے کی اصلاح کرتا ہے۔ کفر، شرک، منافقت، الحاد، شک وغیرہ ایسی روحانی بیماریاں ہیں جن کا اثر انسان کی روح، قلب، جان اور دماغ پر پڑتا ہے۔ عقیدے کے دوسرے نمبر پر اخلاقی بیماریاں ہیں جن میں حسد، بغض، کینہ، خیانت، جھوٹ، وغیرہ شامل ہیں۔ قرآن پاک ان اخلاقی بیماریوں کو بھی شفا بخشتا ہے، قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان تمام قبیح بیماریوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے، اس کے بعد تیسرے نمبر پر وہ روگ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے، ان بیماریوں میں چوری، قتل، ڈاکہ، اغوا، زنا، کھیل تماشہ، عریانی، فحاشی، ظلم، غرور، تکبر، غیر اللہ کی عبادت، خوشامد، رسومات باطلہ وغیرہ آتی ہیں، قرآن کریم ان تمام برے اعمال کی درستگی کے لیے لائحہ عمل بتاتا ہے جس پر عملدر آمد سے انسان غلط اعمال کی بیماریوں سے بھی شفا پا جاتا ہے۔ مولانا مودودی اس خسارے کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس قرآن کو اپنا راہنما اور اپنے لیے کتاب آئین مان لیں ان کے لیے تو یہ خدا کی رحمت اور ان کے تمام مذہبی، نفسانی، اخلاقی اور تمدنی امراض کا علاج ہے۔ مگر جو ظالم اسے رد کر کے اور اس کی راہنمائی سے منہ موڑ کر اپنے اوپر آپ ظلم کریں ان کو یہ قرآن اس حالت پر بھی نہیں رہنے دیتا جس پر وہ اس کے نزول سے، یا اس کے جاننے سے پہلے تھے، بلکہ یہ انہیں الٹا اس سے زیادہ خسارے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک قرآن آیا نہ تھا، یا جب تک وہ اس سے واقف نہ ہوئے تھے، ان کا خسارہ محض جہالت کا خسارہ تھا۔ مگر جب قرآن ان کے سامنے آگیا اور اس نے حق اور باطل کا فرق کھول کر رکھ دیا تو ان پر خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ اب اگر وہ اسے رد کر کے گمراہی پر اصرار کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جاہل نہیں بلکہ ظالم اور باطل پرست اور حق سے نفور ہیں۔ اب ان کی حیثیت وہ ہے جو زہر اور تریاق، دونوں کو دیکھ کر

زہر انتخاب کرنے والے کی ہوتی ہے۔ اب اپنی گمراہی کے وہ پورے ذمہ دار، اور ہر گناہ جو اس کے بعد وہ کریں اس کی پوری سزا کے مستحق ہیں۔ یہ خسارہ جہالت کا نہیں بلکہ شرارت کا خسارہ ہے جسے جہالت کے خسارے سے بڑھ کر ہی ہونا چاہیے۔ یہ بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت مختصر سے بلیغ جملے میں بیان فرمائی ہے کہ " القران حجة لک او علیک " یعنی قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا پھر تیرے خلاف حجت۔ ۲۰

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق خسارہ یہ ہے کہ ظالم اس نسخہ وشفاء سے استفادہ نہیں کرتے، جو اس قرآن کے اندر موجود ہے۔ ظالم یوں بھی خسارے میں ہوتے ہیں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان قرآن کے ذریعہ سے سربلندی حاصل کرتے چلے جاتے ہیں، وہ دل ہی دل میں کڑھتے ہیں اور ان کو زبردست غصہ آتا ہے، مگر بے بس ہوتے ہیں اور جہاں ان کا بس چلتا ہے وہ وہاں ظلم وستم کا ریکارڈ قائم کر دیتے ہیں۔ پھر وہ دنیا میں مسلمانوں کے مقابلے میں مغلوب ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ خسارے میں ہیں اور آخرت میں ان کے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا نیز وہ جن سرکشیوں میں غرق تھے اور ان پر اصرار کرتے تھے ان کی وجہ سے انہیں سخت سزا ہوگی۔ لہٰذا اس سے بڑا اور کیا خسارہ ان کو ہو سکتا ہے۔ ۲۱

تزئین اعمال:

انَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ-اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ ھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۲۲

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے لیے ہم نے ان کے کرتوتوں کو خوشنما بنا دیا ہے، اس لیے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بری سزا ہے، اور آخرت میں یہی سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے ہیں۔"

ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو اپنے غلط کام بھی اچھے لگتے ہیں اور اپنا کلچر ہی مثالی نظر آتا ہے۔ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ۔ ع م ی کے مادہ میں بصارت ظاہری کے اندھے پن کا مفہوم ہے، جبکہ ع م ہ کے مادہ میں بصیرت باطنی کے اندھے پن کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بصارت تو چاہے درست ہو مگر بصیرت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ انسان کی اس کیفیت کو سورۃ الحج میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ(46) "تو اصل میں آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔" ۲۳

پچھلی قوموں میں خسارہ کی مثالیں

تاریخِ انسانی اس بات کی گواہ ہے کہ خسارہ محض ایک معاشی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ ان اقوام کا مقدر ٹھہرا جنہوں نے اپنی مادی قوت کے نشے میں اللہ کی حدود کو پامال کیا۔ قرآن مجید میں ان نافرمان قوموں کے انجام کو خسارے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کے انجام بد کو ان کے اپنے ہی اعمال کا ذائقہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا- فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۲۴

"کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے رَب اور اُس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے اُن سے سخت محاسبہ کیا اور ان کو بری طرح سزا دی۔ انہوں نے اپنے کیے کا مزا چکھ لیا اور اُن کا انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔"

اسی طرح سورہ التوبہ میں ان اقوام کے مادی عروج اور ان کے عبرتناک زوال کی نفسیاتی وجہ بیان کی گئی ہے:

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ- فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ- اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ- وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ- ۲۵

"تم لوگوں کے رنگ ڈھنگ وہی ہیں جو تمہارے پیش رَووں کے تھے۔ وہ تم سے زیادہ زور آور اور تم سے بڑھ کر مال اور اولاد والے تھے۔ پھر انہوں نے دنیا میں اپنے حصہ کے مزے لوٹ لیے اور تم نے بھی اپنے حصہ کے مزے اسی طرح لوٹے جیسے انہوں نے لوٹے تھے، اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے، سو ان کا انجام یہ ہوا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا سب کیا دھرا ضائع ہو گیا اور وہی خسارے میں ہیں۔"

ان آیات کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ جو ان مادی وسائل مال و اولاد میں گم ہو کر حقیقت کو بھلا دیتے ہیں تو بلاشبہ ان کے پاس سب کچھ ہے لیکن اصل میں وہ خسارے میں ہیں۔ ان کے دنیا میں کیے ہوئے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں اور آخرت میں دردناک عذاب ان کا منتظر ہو گا۔ ذیل میں ہم مختلف اقوام کے احوال کا جائزہ لیں گے جن کیلئے قرآن نے 'خاسرین' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

قوم شعیب کا عبرتناک خسارہ:

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ. فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ- الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ- الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ- ۲۶

"اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے، آپس میں کہا "اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کر لی تو برباد ہو جاؤ گے۔"" مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے اُن کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ شعیب کے جھٹلانے والے ہی آخر کار برباد ہو کر رہے۔"

مولانامودودی فرماتے ہیں کہ مدین کے سرداراور لیڈر دراصل یہ کہہ رہے تھےاوراس بات کااپنی قوم کو بھی یقین دلا رہے تھے کہ شعیب جس ایمان داری اور راست بازی کی دعوت دے رہاہےاوراخلاق ودیانت کے جن مستقل اصولوں کی پابندی کراناچاہتاہے،اگران کومان لیاجائے توہم تباہ ہوجائیں گے۔ہماری تجارت کیسے چل سکتی ہے اگرہم بالکل ہی سچائی کے پابند ہو جائیں اور کھرے کھرے سودے کرنے لگیں۔اور ہم جو دنیا کی دوسب سے بڑی تجارتی شاہراہوں کے چوراہے پر بستے ہیں،اور مصراور عراق کی عظیم الشان متمدن سلطنتوں کی سرحد پر آباد ہیں،اگرہم قافلوں کو چھیڑنابند کردیں اور بے ضرراور پرامن لوگ ہی بن کررہ جائیں توجو معاشی اور سیاسی فوائد ہمیں اپنی موجودہ جغرافی پوزیشن سے حاصل ہورہے ہیں وہ سب ختم ہوجائیں گے اور آس پاس کی قوموں پر ہماری جو دھونس قائم ہے وہ باقی نہ رہے گی۔۲۷طاغوتی قوتیں سب سے پہلے داعی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ وہ دعوت کو بند کردے لیکن جب وہ اپنی ایمانی قوت پراور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ڈٹ جاتاہے۔دعوت کو جاری رکھتاہے، اس راہ میں ہرقسم کی مشکلات کو انگیز کرتاہےاور دھمکیوں اور طاغوتی قوتوں کے حجم سے مرعوب نہیں ہوتاتویہ قوتیں داعی کے متبعین کو اذیت دیناشروع کردیتی ہے۔ان پر یہ مصائب محض انکے دین کی وجہ سے توڑے جاتے ہیں۔ان ظالموں کے پاس اپنے ظلم کے لئے کوئی جواز نہیں ہوتالیکن انکے پاس ماردھاڑ اور پکڑدھکڑ کی ظاہری قوتیں ہوتی ہیں۔انکے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی جس سے وہ اپنی جاہلیت پر عوام کو مطمئن کرسکیں۔خصوصاان لوگوں کو مطمئن نہیں کرسکتے جنہوں نے حق کو پہچان لیااور جن کی نظروں میں باطل خفیف وحقیر ٹھہراکیونکہ ان لوگوں نے اپنادین اللہ کے لئے خالص کردیااور ہرقسم کااقتدار اللہ کے حوالے کر دیا۔ان کی نظروں میں اس کے سواکوئی مقتدراعلیٰ ہوتاہی نہیں ہے۔یہ اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جب حق وباطل علیحدہ علیحدہ متمیز ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کے بالمقابل آجاتے ہیں توپھران کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ہوتاہےاور اللہ خود فیصلہ کر دیتاہے۔۲۸

مفتی محمد شفیع عذاب کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ قوم شعیب کاعذاب اس آیت میں زلزلہ کو بتلایاہےاور دوسری آیات میں (فَاَخَذَھُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ) آیاہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو یَوْمِ الظُّلَّۃِ کے عذاب نے پکڑلیا۔ یوم الظُّلَّۃِ کے معنی ہیں سایہ کادن۔جس کامطلب یہ ہے کہ پہلے ان پر گہرے بادل کاسایہ آیاجب سب اس کے نیچے جمع ہوگئے تو اس بادل سے ان پر پتھریاآگ برسائی گئی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نےان دونوں آیتوں میں تطبیق کے لئے فرمایا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم پراول توایسی سخت گرمی مسلّط ہوئی جیسے جہنم کادروازہ ان کی طرف کھول دیاگیاہو جس سے ان کادم گھٹنے لگانہ کسی سایہ میں چین آتاتھانہ پانی میں۔یہ لوگ گرمی سے گھبراکرتہ خانوں میں گھس گئے تووہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی۔پریشان ہوکرشہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔وہاں اللہ تعالیٰ نےایک گہرابادل بھیج دیاجس کے نیچے ٹھنڈی ہواتھی۔یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے دوڑدوڑکراس بادل کے نیچے جمع ہوگئے۔اس وقت یہ سارابادل آگ ہوکران پر برسااور زلزلہ بھی آیاجس سے یہ سب لوگ راکھ کاڈھیر بن کررہ گئے۔اس طرح اس قوم پر زلزلہ اور عذاب ظلہ دونوں جمع ہوگئے (بحر

محیط) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ قوم شعیب کے مختلف حصے ہو کر بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظلہ سے ہلاک کئے گئے ہوں۔۲۹

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا خاص زور مالی احتیاط اور معاشی تقویٰ پر تھا۔ لیکن قوم کے لوگوں نے اس لیے ماننے سے انکار کر دیا کہ ایسے تو ہمارے کاروبار اور تجارت جاتی رہے گی اور اس وجہ سے ہماری جو ارد گرد کے علاقوں پر ساکھ بنی ہوئی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ قوم کے سرداروں نے صرف آپ علیہ السلام کی دعوت کا انکار ہی نہیں کیا بلکہ اپنی قوم کے باقی لوگ جو ان کے ماتحت تھے ان کو بھی روکا۔ اور انہیں یوں محسوس کروایا کہ ہم تو تمہارے بہت ہی خیر خواہ ہیں۔ اگر تم نے ان کا دین قبول کر لیا تو برباد ہو جاؤ گے۔ یعنی ایک تو تم اپنے آباؤ اجداد کے دین سے بھی جاؤ گے اور تمہیں ہماری حمایت اور سرپرستی سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا اور تمہاری روزی روٹی کا سلسلہ بھی بند ہو جائے گا' کیونکہ جو راستہ شعیب علیہ السلام تم لوگوں کو بتا رہے ہیں اس پر چلنے کا یہی نتیجہ ہو گا۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے یہ دیکھا کہ ان کا دنیاوی فائدہ کس طرف ہے اور اس کیلئے انہوں نے راہ ہدایت کو مسترد کر دیا۔

قوم عاد کا خسارہ:

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۚ - فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ -اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۠ -وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ -مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ -يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ .وَ لَىٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ -۳۰

"ان کے بعد ہم نے ایک دوسرے دَور کی قوم اُٹھائی۔ پھر اَن میں خود انہی کی قوم کا ایک رسول بھیجا (جس نے انہیں دعوت دی) کہ اللہ کی بندگی کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے، کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا، جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا، وہ کہنے لگے یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔ جو کچھ تم کھاتے ہو۔ وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔ اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت قبول کر لی تو تم گھاٹے ہی میں رہے۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بیان فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس سے مراد قوم ثمود لی ہے، کیونکہ آگے چل کر ذکر آرہا ہے کہ یہ قوم صیحہ کے عذاب سے تباہ کی گئی، اور دوسرے مقامات پر قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ثمود وہ قوم ہے جس پر یہ عذاب آیا۔ (ہود: ۶۷) (الحجر: ۸۳-القمر: ۳۱)۔ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ذکر دراصل قوم عاد کا ہے، کیونکہ قرآن کی رو سے قوم نوح کے بعد یہی قوم اُٹھائی گئی تھی، وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (اعراف، آیت (۶۹) صحیح بات یہی دوسری معلوم ہوتی ہے۔۳۱

تدبر قرآن میں آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر لکھتے ہیں کہ ان متکبرین کی بعض ایسی صفات بیان ہوئی ہیں جن سے ان کے طغیان اور رعونت کے اصل سبب پر روشنی پڑتی ہے۔ان میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت اور آخرت میں خدا کے آگے پیشی کے منکر ومکذب تھے۔دوسری چیز یہ ہے کہ ان کو دنیا میں جو رفاہیت وخوش حالی حاصل ہوئی ان کے لئے فتنہ بن گئی۔ انہوں نے سمجھا کہ ان کی یہ دنیاوی کامیابیاں ان کے عمل اور عقیدہ کی صحت کی دلیل ہیں، آخرت اول تو ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو جو کچھ ان کو یہاں حاصل ہے کوئی وجہ نہیں کہ وہ آخرت میں اس سے محروم ہو جائیں۔اس دولت ورفاہیت کے سبب سے وہ اپنے اوپر کسی کی برتری تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے اور وہ بھی ایک ایسے شخص کی برتری جس کو ان کی طرح مال وجاہ حاصل نہیں تھا! اپنے اس غرور پر انہوں نے یوں پردہ ڈالنے کی کوشش کی کہ اگر خدا کسی کو ہماری رہنمائی کے لئے بھیجنے والا ہی ہوتا تو کسی مافوق بشر ہستی کو بھیجتا۔ ہمارے ہی جیسے ایک بشر کو رسول بنانے کے کیا معنی! اپنے عوام کے جذبات کو بھڑکانے کے لئے انہوں نے ایک جذباتی حربہ استعمال کیا کہ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کو، خدا کا رسول مان کر، اس کا قلادہ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیا تو دین اور دنیا دونوں اعتبار سے اپنی لٹیا ڈبو دوگے۔ معلوم نہیں یہ شخص تمہیں کسی کھڈ میں گرائے اور کہاں لے جا کے مارے کہ وہاں تم پانی بھی نہ پاؤ!! مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی مہلک قدم اٹھانے سے پہلے خوب سوچ لو۔ ہم تمہیں نیک وبد اچھی طرح سمجھائے دیتے ہیں! ۳۲

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا خسارہ:

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۳۳

"وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا۔"

اس آیت کے پس منظر میں ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ ہے جس میں آپ نے قوم کے بت توڑ دیے تھے۔اور وہ لوگ آپ کو آگ میں ڈانے کا بندوبست کر رہے تھے۔علامہ غلام رسول سعیدی نے تبیان القرآن میں نمرود اور اس کی قوم کے انجام کے متعلق روایت نقل کی ہے۔حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ اور امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: زید بن اسلم نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ (نمرود) کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا تھا۔ نمرود نے اس کی دعوت کا انکار کیا پھر دوسری بار بھیجا پھر انکار کیا پھر تیسری بار بھیجا پھر انکار کیا، پھر اس فرشتہ نے کہا تم اپنا لشکر جمع کرو میں اپنا لشکر جمع کرتا ہوں۔ سو نمرود نے اپنے حواریوں اور سپاہیوں کا لشکر جمع کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مچھر بھیجے جن کو دھوپ کی وجہ سے انہوں نے نہیں دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ مچھر ان پر مسلط کر دیئے۔ مچھروں نے ان کا خون پی لیا اور ان کا گوشت کھا گئے اور جنگل میں صرف ان کی ہڈیاں پڑی رہ گئیں۔ایک مچھر نمرود کے نتھنے کے راستہ سے اس کے دماغ میں داخل ہو گیا اور چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا۔اس عرصہ میں اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے رہے حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے اس کو ہلاک

کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے امتحان میں سرخ رو ہوئے اور نمرود اور اس کی قوم اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئی۔ ۳۴

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو حق کی دعوت دی، لیکن قوم اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر بضد رہی۔ نتیجتاً آپ نے قوم کو سمجھانے کیلئے اور ان کی بھلائی کیلئے ان کی غیر موجودگی میں ان کے بت توڑ دیے اور کلہاڑا بڑے بت کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ لوگوں کے پوچھنے پر آپ علیہ السلام نے بتایا کہ یہ تو اس بڑے بت نے توڑا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو ہل ہی نہیں سکتا، کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ تو آپ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ جب تم خود بھی اس بات کو مانتے ہو تو ان کے سامنے کیوں جھکتے ہو، ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ ایک اللہ کو مانو' اس کی عبادت کرو۔ لوگ بجائے اس کے کہ آپ علیہ السلام کی بات پر غور کرتے، آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ نے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ باطل قوتیں ہمیشہ سے سچ کی آواز کو دبانے اور ختم کرنے کی سازشیں کرتی ہیں، لیکن اللہ ان کی تدبیر کو ناکام بنا دیتا ہے۔ کوئی بھی تدبیر اللہ کی تدبیر سے برتر نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۠ ۳۵

اب انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی اور اللہ تعالی بہترین چال چلنے والا ہے۔ (بیان ا لقرآن)

قتل ناحق، تاریخِ انسانی کا پہلا خسارہ:

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ- ۳۶

"آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

معالم العرفان مین اس واقع کی وضاحت کی گئی ہے کہ آدم کے دونوں بیٹوں نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں اپنی اپنی قربانی پیش کی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گی جب کہ قابیل کی نہ ہوئی۔ اس نے غصے میں آکر اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی مگر ہابیل نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اللہ کے ہاں قربانی کی قبولیت کا معیار یہ ہے کہ وہ متقیوں سے قبول کرتا ہے۔ اگر تم بھی تقوے کی صفت سے متصف ہوتے تو اللہ تعالی تمہاری قربانی بھی قبول فرمالیتا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائیگا۔ تو میں تیرے قتل کے لیے اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں اس اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اگر تم نے مجھے قتل کر ہی دیا۔ تو پھر تمہیں میرے قتل کا گناہ اور خود اپنے گناہ بھی اٹھانا ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم جہنمی بن جاؤ گے۔ ۳۷

چونکہ اس سے پہلے کسی انسان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی، اس لیے قابیل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ بھائی کی بے جان لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ لاش کو کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا اور جب وہ گلنے سڑنے لگی تو دماغ چکرانا شروع ہو گیا، اس سے اسے مزید پریشانی لاحق ہو گئی۔ اس موقع پر اللہ تعالی نے اس کی راہنمائی فرمائی۔ اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین میں کرید تا تھا۔ بہر حال جب قابیل نے ایک کوئے کو دیکھا کہ اس نے زمین کرید کر مردہ کوے کو دفن کیا ہے تو اپنے آپ پر افسوس کرنے لگا۔ ہائے افسوس کیا میں اتنا عاجز آگیا ہوں کہ میں اس کوے جیسا بن جاؤں۔ مطلب یہ تھا کہ افسوس میں ایک کوئے جتنی عقل بھی نہیں رکھتا۔ ایک پرندے نے تو لاش کو دفن کر دیا مگر مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔ یہ قابیل کی طرف سے اظہار تاسف کے الفاظ تھے۔ اپنی کم عقلی اور کمزوری کو ظاہر کرنے کے بعد اس نے کوے سے سبق سیکھا مجھ سے تو اتنا بھی نہ ہوا کہ میں اپنے بھائی کی میت کو چھپا دیتا یعنی زمین میں دفن کر دیتا۔ اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء میں اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: " اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ "یعنی اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو اور نقض عہد کا ارتکاب مت کرو۔ اگر عہد کو پورا کرو گے تو تمہیں ترقی نصیب ہو گی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو گئے تو برے نتائج سامنے آئیں گے۔ یہودی عہد شکنی کی وجہ سے ہی سنگدل اور طعون ٹھہرے اور نصاریٰ باہمی جنگ و جدل میں مبتلا ہوئے۔ اہل ایمان کو سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم بھی اہل کتاب کی روش پر چلو گے تو یہ بیماریاں تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائیں گی، انسان قانون کا مکلف ہے اور اس کی پابندی میں ہی اس کا عروج ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں ملکیت اور بہیمیت کی باہمی کش مکش رکھ دی ہے۔ اب یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ وہ صفت ملکیت کو غالب لا کر قانون خداوندی کی پابندی کرے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو انسانیت کے دائرہ سے نکل کر بہیمیت والوں کے گروہ میں شامل ہو جائے گا بلکہ ان سے بھی کم تر درجے میں چلا جائیگا۔ اللہ نے فرمایا ہے " ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَۙ "جب وہ قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں سے بھی ذلیل تر ہو جاتا ہے۔ اور قابیل کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ اس نے قانون خداوندی کے خلاف کیا تو اللہ نے اسے دکھا دیا کہ وہ کوے جیسے جانور سے بھی ذلیل ہو گیا ہے۔ ا مولانا عبدالماجد اس خسارے کی نوعیت بیان کرتے ہیں کہ خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ دنیا میں سب سے پہلا قتل کیا، قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا۔ اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق ہوا۔ ۳۸

قابیل نے ہابیل کو حسد کی بنا پر قتل کیا۔ حسد ایک ایسی آگ ہے جو کسی بھی غلط کام کو انسان کے نفس کیلئے سہل اور خوشنما بنا دیتا ہے۔ اور اس کا دنیاوی خسارہ تو یہ تھا کہ اس نے اپنے بھائی کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل کیا، زمین پر پہلا قاتل قرار پایا، ندامت و پریشانی میں مبتلا ہوا، اور قیامت تک آنے والے تمام قتلوں کے گناہ کا بوجھ اس کے سر آیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا خوف خسارہ

آدم علیہ السلام کی خسارے سے پناہ:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٚ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ۔ ۳۹

دونوں بول اُٹھے "اے رب! ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے در گزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

آدم اور حوا علیہا السلام نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ہم نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے اپنی غلطی کا فوراً اقرار کر لیا شیطان کی طرح کوئی حجت بازی نہیں کی بلکہ نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا و تَرْحَمْنَا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔ تیری رحمت کے سوا ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا، ہم تیری مہربانی کے محتاج اور تیری رحمت کے طلب گار ہیں۔ انسان کی شان و بلندی عاجزی اور انکساری میں ہی ہے۔ لہٰذا ایمان والے کا شیوہ یہی ہے کہ وہ ہر وقت اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھے اور غرور و تکبر کے قریب تک نہ جائے چنانچہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے یہی طرز عمل اختیار کیا۔ ۴۰ پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ خطا سہواً اور بلا قصد سرزد ہوئی تھی لیکن آدم علیہ السلام سراپا ندامت بن کر توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ کاملین کا یہی شیوہ ہے کہ معمولی سی خطا پر بھی کانپ اُٹھتے ہیں اور آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ اور اپنی عمر بھر کی عبادتوں اور ریاضتوں کو پرکاہ کی اہمیت بھی نہیں دیتے بلکہ اپنے رب کریم کے دامن رحمت میں ہی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ على عادة الأولياء والصالحين في استعظامهم الصغير من السيئات واستصغارهم العظيم من الحسنات (کشاف)۔ امام ابی حیان اندلسی (رح) نے یہاں خوب لکھا ہے کہ پانچ چیزیں آدم کی نجات کا باعث بنیں۔ (۱) اپنی غلطی کا اعتراف (۲) اس پر ندامت (۳) اپنے آپ کو اس پر ملامت کرنا (۴) توبہ (۵) اور رحمت الٰہی پر آس- اور پانچ چیزیں شیطان کی تباہی کا باعث بنیں۔ (۱) اپنے جرم کو تسلیم نہ کرنا (۲) نادم نہ ہونا (۳) ارتکاب جرم پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرنا بلکہ اس کے صادر ہونے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دینا (فبما اغويتنى) (۳) توبہ نہ کرنا (۵) اور رحمت الٰہی سے مایوس ہو جانا۔ ۴۱

انسان کی فطرت میں یہ چیز رکھی گئی ہے کہ اس سے خطا سرزد ہوگی، لیکن اصل گناہ خطا نہیں بلکہ اس خطا کو کر کے اس پر ڈٹے رہنا ہے۔ اصل حسن اس بات میں ہے کہ انسان اپنی غلطی سے رجوع کرے اور اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور معافی مانگے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

كل بني آدم خطاء وخير الخطائين التوابون ۴۲

"سارے انسان خطاکار ہیں اور خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں"

اگر انسان سے خطا سرزد ہی نہ ہوتی تو وہ 'فرشتہ' کہلاتا، اور اگر وہ خطا کر کے اس پر ڈٹ جاتا اور غرور و تکبر کرتا تو 'شیطان' بن جاتا۔ جیسے ابلیس نے کیا، جس کے متعلق قرآن مجید میں بھی ذکر ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۴۳

پوچھا، "تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟" بولا، "میں اُس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹی سے"

قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ ۴۴

وہ بولا "میرے رب، جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لیے دلفریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا۔"

انسان کو چاہیے کہ وہ شیطان کے بچھائے ہوئے جال سے بچنے کی کوشش کرے لیکن اگر وہ اس کے جال میں پھنس جائے اور خطا کر بیٹھے تو فوراً اللہ سے معافی مانگ لے، شیطان اور انسان میں یہ بہت بڑا فرق ہے۔ معافی مانگنے سے انسان کے اندر عاجزی وانکساری پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور اسے پکارتا ہے 'ربی' تو اس کی ساری انا ختم ہو جاتی ہے، اسے اس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ وہ رب جو ساری کائنات کو پالنے والا ہے اس کی ناراضگی کو مول لینا بہت بڑا نقصان ہے، اس کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کیلئے خوف خسارہ:

وَ لَمَّا سُقِطَ فِىْ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۗ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِىْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِىْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِىَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِىْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔۴۵

"پھر جب ان کی فریب خوردگی کا طلسم ٹوٹ گیا اور انہوں نے دیکھ لیا کہ در حقیقت وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہم سے درگزر نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے" اُدھر سے موسیٰ غصے اور رنج میں بھرا ہوا اپنی قوم کی طرف پلٹا۔ آتے ہی اس نے کہا "بہت بری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے ہیں؟" اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا۔ ہارون نے کہا "اے میری ماں کے بیٹے، ان لوگوں نے مجھے دبالیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے، پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر۔"

ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ ان کو سالہ پرستوں کی سرزنش ہو رہی ہے کہ بچھڑے کو لے کر گمراہ ہو گئے۔ خالق السموات والارض کو بھول گئے۔ ان کی آنکھوں پر جہل و گمراہی کے پردے پڑ گئے ہیں جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شے کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کر دے گی اور جب یہ اپنے فعل پر نادم ہوئے اور سمجھ میں آ گیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو

گئے تھے۔ تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے اور مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے گناہ کا اعتراف کیا اور خدا تعالیٰ کے سامنے عجز و زاری کی۔ بعض نے یرحمنا کے بجائے (ت سے) ترحمنا اور تغفر لنا پڑھا ہے۔ اس طرح "ربنا" فاعل ہونے کے بجائے منادی ہو جاتا ہے۔۴۶

تبیان القرآن میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى - قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى-قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ-فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا- (اور ہم نے طور پر موسیٰ سے فرمایا) آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی اے موسیٰ؟ عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں‘ اے میرے رب! میں نے آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو راضی ہو جائے۔ فرمایا تو ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔ تو موسیٰ بہت غم و غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ (طٰہٰ: ۸۳-۸۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھ سے دیکھنا سننے کی مثل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تمہاری قوم فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے تو انہوں نے تختیاں نہیں ڈالیں اور جب انہوں نے آنکھ سے دیکھ لیا تو تختیاں زمین پر ڈال دیں اور وہ نتیجتاً ٹوٹ گئیں۔۴۷

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اپنی قوم کی گمراہی کے بارے میں پتا چلا تو ان کا شدید غصے کی کیفیت میں اپنی قوم کی طرف لوٹنا، اور تختیوں کو اس زور سے زمین پر ڈالنا کہ ان کا ٹوٹ جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا۔ ان کا غصہ اور تڑپ محض ذاتی جذبات نہیں تھے بلکہ وہ اس خوف خسارہ کا اظہار تھا جو ایک نبی اپنی امت کیلئے محسوس کرتا ہے۔ قوم اللہ کی بندگی کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پوجا کرنے لگی‘ اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف جب قوم کو اپنی گمراہی کا احساس ہوا تو انہوں نے بھی خوف خسارہ کے سبب وہی دعا کی جو حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے کی تھی کہ ہمارے رب اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خاسرین میں سے ہو جائیں گے‘ یعنی ہم برباد ہو جائیں گے۔

- ایک اور آیت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خسارے میں رہو گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

  يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ-۴۸

  "اے برادران قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔"

مولانا عبدالماجد بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موقع ترغیب پر فرما رہے ہیں کہ وہ زمین تو تمہارے لیے مقدر ہو ہی چکی ہے، ذرا سی ہمت و کوشش کرو تو ابھی مل جاتی ہے۔ الارض المقدسة الّتی مقدس سرزمین سے مراد شام ہے۔

فلسطین (کنعان) اس کے ایک علاقہ کا نام ہے۔۴۹ انوار البیان میں بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو سکتے ہیں (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ (جب تک وہ لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ والسلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور اُن کے ایسے بے تکے جواب سنے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا، مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں لهذا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔۵۰

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا کہ اے میری قوم اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پیچھے نہ ہٹو ورنہ تم خاسرین میں سے ہو جاؤ گے۔ ان کا دنیاوی خسارہ یہ ہوا کہ چالیس سال تک چھ فرسخ سرزمین میں بھٹکتے رہے یہاں تک وہ تمام لوگ مر گئے اور نئی نسل جوان ہو گئی، مقدس سرزمین سے محروم رہے اور حکمرانی سے محروم رہے۔ اور آخرت میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کے عوض سزا کے حقدار ٹھہرے۔

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کیلئے خوفِ خسارہ:

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًاۚ - وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًاۚ - وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ- وَّ لَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًاۚ ۵۱

نوح نے کہا، "میرے رب، اُنہوں نے میری بات رد کر دی اور اُن (رئیسوں) کی پیروی کی جو مال اور اولاد پا کر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو وَدّ اور سواع کو، اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔"

مولانا امین احسن اصلاحی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اس ردِ عمل کا ذکر فرما رہے ہیں جس کا آپ کی قوم کی طرف سے، دعوت کے تیسرے مرحلہ میں، جو اتمام حجت کا آخری مرحلہ تھا، اظہار ہوا۔ فرمایا کہ اے رب! میں نے سارے جتن کر ڈالے لیکن ان سنگ دلوں نے میری کوئی بات بھی نہیں سنی بلکہ اپنے انہی لیڈروں کی پیروی کی جن کی مال و اولاد کی کثرت نے ان کے خسارے ہی میں اضافہ کیا ہے۔ یعنی مال و اولاد نے شکر گزاری کے بجائے ان کے استکبار کو بڑھایا ہے جس کے سبب سے وہ اپنی روش پر اڑ گئے اور میری کوئی بات سننی ان کو گوارا نہیں۔۵۲

ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ ان رئیس لوگوں کا پردہ فاش کرتے ہیں جو اپنی چودھراہٹ کو قائم رکھنے کیلئے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ یہ رئیس لوگ خود ہی گمراہ اور بدکار نہ تھے بلکہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے کہ عوام بھی حضرت نوح سے برگشتہ رہیں اور ان کے دین کو قبول نہ کریں۔ انہیں یہ فکر دامنگیر تھا کہ اگر عوام نے حضرت نوح کے دین کو قبول کر لیا تو انکی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ان کمزوروں اور ضعیفوں کا اگر شعور بیدار ہو گیا اور خدا کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہو گیا تو وہ ان کی غلامی کا طوق اتار کر دور پھینک دیں گے۔ اس خطرہ کے سدباب کے لیے وہ ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتے ایسی ایسی چالیں چلتے کہ بھلے چنگے سمجھدار لوگ بھی پھنس جاتے۔ کبھی کہتے نوح ہماری طرح ہی ایک بشر ہے، اس پر کیسے وحی نازل ہو گی (الاعراف: ۹۳) کبھی کہتے اس کے مرید رذیل قسم کے لوگ ہیں, کوئی کام کا آدمی تو ان کے ہاں نظر نہیں آتا کیا قوم کے بڑے بڑے رئیس، تاجر اور چودھری سب احمق ہیں اور یہ کمی لوگ ہی اتنے سیانے واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔ (ہود: ۲۷) کبھی کہتے اگر اللہ تعالیٰ نے کس کو نبی بنانا ہوتا تو کسی معصوم فرشتے کو بناتا (المومنون: ۲۴)۔ کبھی کہتے کہ نوح نے نبوت کا دعوی محض اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے اور تمہارا لیڈر بننے کے لیے کیا۔ (المومنون: ۲۴) یہ اور اس قسم کی کئی بے سروپا باتیں وہ بڑے جوش و خروش سے کیا کرتے اور اکثر لوگ ان کے اس دام فریب میں پھنس جاتے۔ ۵۳

حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو سال تک تبلیغ کی، لیکن جب قوم کی یہی حالت رہی تو اللہ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے:

> وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا- اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۵۴
>
> اور نوح نے کہا، "میرے رب، ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہو گا بدکار اور سخت کافر ہی ہو گا۔"

حضرت نوح نے یہ بددعا کیوں کی اس کے متعلق تبیان القرآن میں مختلف روایات ملتی ہیں کہ وہ اپنی قوم سے پوری طرح مایوس ہو چکے تھے، ایسے ہی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور قوم فرعون کیلئے یہ بدعا کی تھی۔ یہ بھی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ اس قوم میں جتنا جوہر تھا وہ نکل آیا ہے، اس کے مٹ جانے ہی میں خیر ہے ورنہ جو لوگ سیدھے راستے پر آگئے ہیں یہ انہیں بھی گمراہ کریں گے۔

نوح علیہ السلام کا خوف خسارہ:

> قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ- فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ-قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ- ۵۵

جواب میں ارشاد ہوا اے نوح"، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے، لہٰذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے۔" نوح نے فوراً عرض کیا "اے میرے رب، میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا۔"

لیکن یہاں یہ منظر دکھایا گیا ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لخت جگر کو ڈوبتے ہوئے دیکھتا ہے اور تڑپ کر بیٹے کی معافی کے لیے درخواست کرتا ہے، لیکن دربار خداوندی سے الٹی اس پر ڈانٹ پڑ جاتی ہے اور باپ کی پیغمبری بھی ایک بد عمل بیٹے کو عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ ۵۶ معالم العرفان میں بیان ہے کہ امام ابو منصور ماتریدی (رح) امام ابو حنیفہ (رح) کے دو واسطوں سے شاگرد تھے۔ وہ تفسیر میں لکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ایمان کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔ وہ آپ ہی کے گھر میں منافقوں کی طرح رہتا تھا مگر کافروں کے ساتھ ملا ہوا تھا، بیوی کا بھی یہی حال تھا۔ یہ دونوں درپردہ کافروں کے ساتھ تھے مگر نوح علیہ السلام کو علم نہیں تھا کہ یہ حقیقت میں ایمان سے خالی ہیں۔ یہ بات قرین قیاس ہے کیونکہ نبی عالم الغیب تو ہوتا نہیں کہ اسے معلوم ہو کہ فلاں فلاں منافق آدمی ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے کہ مدینہ اور ارد گرد میں کتنے منافق ایسے ہیں لَا تَعلَمهمۚ ط۔نَحنُ نَعلَمهمۚ ط جن کو آپ نہیں جانتے بلکہ ہم انہیں جانتے ہیں۔ وہ لوگ آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں آپ کی مجلس میں آتے ہیں اور بعض اوقات جہاد میں شریک ہوتے ہیں مگر جب تک وحی کے ذریعے اطلاع نہ دی جائے ان کا پتہ نہیں چلتا۔ ۵۷

پیر محمد کرم شاہ فرماتے ہیں، میرا بیٹا تھا بس استفسار کے جواب میں پہلے تو فوراً یہ فرمایا انه ليس من اهلك وہ تیرے اہل وعیال سے ہے ہی نہیں۔ بعد میں اس کی وجہ بتائی کہ انه عمل غير صالح وہ بد عمل اور بد کردار تھا اور ایسے شخص کو نبوت کے پاک خاندان کا فرد شمار نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے نزدیک مقبولیت کا سبب صرف کسی نیک اور بزرگ کی اولاد ہونا نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ اگر کوئی نعمت ایمان سے محروم ہے تو اس کو کسی بزرگ باپ کا بیٹا ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا خواہ وہ باپ نوح علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت نبی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجات اور ترقی درجات کا دار و مدار ایمان اور صالح عمل پر ہے جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کے لیے بخشش نہیں اور نہ اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول ہوئی لیکن جو ایماندار ہو مگر شومئ قسمت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا ہو اس کے لیے شفاعت اور بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔ ۵۸

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے کے متعلق سوال کیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں کیوں کہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ نبی کے ساتھ صرف نسلی قرابت انسان کو نجات نہیں دلا سکتی بلکہ اس کیلئے ایمان اور عمل صالح بھی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۟ ۵۹

"اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔"

عن أَبِي هريرة ، قَالَ: " لَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ سورة الشعراء آية 214 ، دعا رسولُ اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ قُرَيْشًا، فَاجْتَمعوا، فَعَمَّ، وخصَّ، فَقَالَ: يا بني كَعْب بن لُؤَيّ، أَنْقذُوا أَنفُسكُمْ من النَّار، يا بني مُرَّةَ بن كَعْب، أَنقذُوا أَنْفُسكُمْ من النَّار، يا بني عبد شَمْس، أَنْقذُوا أَنفُسكُمْ من النَّار، يا بني عبد مناف، أَنْقذُوا أَنفُسكُمْ من النَّار، يا بني هاشم، أَنْقذُوا أَنفُسكُمْ من النَّار، يا بني عبد الْمُطَّلب، أَنْقذُوا أَنْفُسكُمْ من النَّار، يا فَاطمةُ، أَنْقذي نَفْسَكِ من النَّار، فَإِنِّي لَا أَمْلكُ لَكُمْ من اللَّه شيئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رحمًا سَأَبُلُّها ببلالها ۶۰

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری: "اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بلایا۔ جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے عمومی حیثیت سے (سب کو) اور خاص کر کے الگ خاندانوں اور لوگوں کو ان کے نام لے لے کر) فرمایا: اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، اے مرہ بن کعب کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، اے عبد شمس کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، اے عبد مناف کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، اے بنوہاشم! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، اے عبد المطلب کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، اے فاطمہ (بنت رسول اللہ ﷺ) ! اپنے آپ کو آگ سے بچالو، میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے (کسی مواخذے کی صورت میں، تمھارے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، ہاں! تم لوگوں کے ساتھ رشتہ ہے، اُسے میں اسی طرح جوڑتا رہوں گا جس طرح جوڑنا چاہیے۔"

لوگ سوچتے ہیں کہ میں فلاں بزرگ کا بیٹا ہوں یا فلاں کے آستانے سے وابستہ ہوں تو میری سفارش ہو جائے گی۔ لیکن اگر دیکھیں تو یہاں تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی عذاب کا شکار ہوا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے رشتہ داروں کو یہاں تک اپنی بیٹی کو نصیحت کر رہے ہیں کہ میں تمہیں بچا نہ سکوں گا۔ دنیا میں تو لوگ سفارش یا ریفرینس کے ذریعے سے اپنا کام کروا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ عدالتوں میں بھی ریفرینس دے کر کہ فلاں کا بیٹا ہے مجرم کو باعزت رہا کروا لیا جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں انسان پنے اعمال کی بنا پر صلہ پائے گا' وہاں کوئی سفارشی اور مددگار نہ ہو گا۔

صالح علیہ السلام کا خوف خسارہ:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۟ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۶۱

صالح نے کہا "اے برادرانِ قوم، تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا، اور پھر اس نے اپنی رحمت سے بھی مجھ کو نواز دیا تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تم میرے کس کام آسکتے ہو سوائے اس کے کہ مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈال دو۔"

تبیان القرآن میں حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم کی امیدوں کی وجوہات بیان کی گئی ہیں کہ صالح علیہ السلام کی قوم نے حضرت صالح سے جو اپنی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں اس کی دو وجوہات تھیں: (۱) حضرت صالح علیہ السلام بہت ذکی اور فہیم تھے اور فراخ دل اور بہت حوصلہ والے شخص تھے، اس لیے ان کی قوم کو یہ امیدیں تھیں کہ وہ ان کے دین کی مدد کریں گے، ان کے مذہب کو قوت اور استحکام پہنچائیں گے اور ان کے طریقوں اور مذہبی رسومات کی تائید کریں گے، کیونکہ جب کسی قوم میں کوئی باصلاحیت نوجوان پیدا ہو تو اس سے اس قسم کی امیدیں قائم کی جاتی ہیں۔ (۲) حضرت صالح علیہ السلام غریبوں کی مالی امداد کرتے تھے، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے تھے اور بیماروں کی عیادت اور خدمت کرتے تھے، اس وجہ سے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ ان کے مددگاروں اور ان کے دوستوں سے ہیں۔ اور جب صالح علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا تو ان کو سخت تعجب ہوا کہ ان کو اچانک یہ کیا ہو گیا اس لیے انہوں نے کہا: آپ تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے، کیا آپ ہم کو ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ ۶۲

پیر محمد کرم شاہ فرماتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے لوگوں نے پہلے بڑی منت سماجت کی ہو گی اپنی توقعات اور امیدوں کا واسطہ دیا ہو گا کہ آپ اس انوکھی دعوت سے باز آجائیں پھر ڈرا دھمکا کر آپ کو رام کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ انہیں کی ترغیب و تربیت کے جواب میں آپ نے فرمایا ہو گا کہ اے قوم! مانا کہ تمہیں نور ہدایت نظر نہیں آرہا لیکن میں تو دیکھ رہا ہوں کہ آفتاب صداقت ضوفشاں ہے۔ میری چشم بصیرت کو میرے پروردگار کی وحدانیت اور کبریائی کے جلوے قدم قدم پر نظر آرہے ہیں۔ میں کس طرح ان تابندہ حقائق کا انکار کر سکتا ہوں۔ مجھے اس نے جن بے پایاں رحمتوں سے نوازا ہے میں ان کی ناشکری کی کیسے جرات کر سکتا ہوں۔ اگر ان حقائق کو یوں بے نقاب دیکھ لینے کے بعد میں تمھاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کا انکار کر دوں تو اگر میرے رب نے مجھے پکڑ لیا تو کیا تم میں سے کسی میں اتنا دم خم ہے کہ وہ مجھے چھڑا لے۔ اگر تم میری دعوت قبول کر کے اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچانا نہیں چاہتے تو میرے حال پر ترس کھاؤ اور مجھے اپنے ساتھ غرق ہونے پر مجبور نہ کرو۔ تم میرے خیر خواہ بن کر مجھے سمجھا رہے ہو لیکن میں تمھاری بات نہیں مان سکتا کیونکہ میرا اس میں سراسر نقصان ہے۔ مجھے ایسے نادان دوستوں کی نصیحتوں کی ضرورت نہیں جو اپنی بے سمجھی سے مجھے بھی راہ حق سے برگشتہ کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ۶۳

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا ہمیں آپ سے بہت امیدیں وابستہ تھیں کہ آپ ذہین اور اچھے انسان ہیں ہماری روایات اور مذہب کو آگے لے کر چلیں گے۔ انہوں نے آپ کو واپسی کی دعوت دی' جس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف سے نبوت پر فائز ہوں اور تم لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کیلئے بھیجا گیا ہوں اگر میں بھی اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں تو مجھے کون عذاب سے بچا سکے گا' تم تو صرف میرے نقصان میں اضافہ کر رہے ہو۔ آج کل یہ بات بہت سننے کو ملتی ہے کہ خاندان کیا کہے گا، لوگ کیا کہیں گے' اور اس چکر میں بعض اوقات سب کچھ جانتے ہوئے بھی کہ یہ غلط ہے' جاہلانہ اور ظالمانہ روایات کی تقلید کی جاتی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ سے ڈریں خواہ پورا معاشرہ ان کے خلاف ہو جائے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم بھی انہیں باپ دادا کے طریقے پر لانا چاہتی تھی لیکن انہوں نے یہ واضح کر دیا کہ اگر میں تمہارے دباؤ میں آکر اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں، تو تم مجھ کو فائدہ نہیں دے رہے بلکہ میرے خسارے میں اضافہ ہی کر رہے ہو۔

حاصل کلام:

خسارہ کا مطلب صرف مال کی تجارت میں نقصان نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی روشنی میں وہ تمام لوگ خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کی تجارت ایسے کاموں میں کی جن کا انجام دنیا اور خصوصاً آخرت میں بربادی ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے عقائد ہی درست نہیں، دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے عقائد تو درست ہیں مگر ان کے اعمال انہیں خسارے تک پہنچا دیتے ہیں۔ دنیا میں خاسرین کی سزا یہ ہوگی کہ وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے، قرآن کی شفاء اور برکتوں سے محروم رہیں گے، اور ان کے اعمال ان کیلئے مزئین کر دیے جائیں گے انہیں لگے گا کہ ہم ہی بس اچھے' نیک اور سیدھے راستے پر ہیں اور وہ اپنی کرتوتوں میں بھٹکتے پھریں گے اور اچانک انہیں موت آدبائے گی' پھر اجل کو دیکھنے کے بعد ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ آخرت میں ان کی سزا یہ ہوگی کہ ان کے اعمال حبط کر دیے جائیں گے (دنیا میں جن کی سعی راہ راست سے بھٹکی رہی اور انہیں لگا کہ وہ نیکیاں کما رہے ہیں جیسے یہود و نصریٰ' پادری' سادھو وغیرہ یا جو لوگوں کو دکھانے کیلئے عمل کرتے رہے، یاد کھاوے اور برائے نام مسلمانی کیلئے نماز روزہ رکھ لیا باقی اپنے دنیوی مفادات اور نفسانی خواہشات کو مدنظر رکھا، منافق وغیرہ' اور جہاں تک کافر کا تعلق ہے اس کے اعمال کا تو وزن ہی نہیں ہوگا)، آخرت کے دائمی عذاب اور دہشت ناک کاموں کو دیکھ کر انہیں وقت کے ضیاع کا شدت سے احساس ہوگا کہ ہم تو دنیا میں گھڑی بھر کیلئے ٹھہرے، انہیں شدید ندامت ہوگی کہ ہم سے یہ کیسی بھول ہوگی' کاش ہمیں واپس بھیج دیا جائے، ان پر کوئی رحم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے حق میں سفارش قبول ہوگی، اپنی پیٹھوں پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، ذلت اور شرمندگی کے مارے نظریں اٹھا کر دیکھ نہ سکیں گے اور اہل ایمان ان کو دیکھ کر کہیں گے یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں اور گھر والوں کو خسارے میں ڈالا۔ اس کے بعد ان قوموں کا ذکر ہے جو اپنی نافرمانی کے سبب خسارے کا شکار ہوئیں۔ ان تمام قوموں میں یہ چیز مشترک تھی کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی، قوم نے بھیڑ چال کی طرح صرف اپنے سرداروں کی بات مانی کی کہ یہ تو تم جیسا ہی ایک عام بشر ہے اب تم اس کے پیچھے چلو گے، ہم تمہارے بہت خیر خواہ

ہیں اگر تم نے ان کی بات مانی تو برباد ہو جاؤ گے۔ حقیقت میں تو انہیں یہ خطرہ تھا کہ ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی' اور یوں خود بھی گمراہ رہے اور لوگوں کو بھی ہدایت سے دور رکھا اور دائمی تباہی اور بربادی اپنا مقدر بنالی۔ اسی طرح قابیل نے حسد کی آگ میں اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا اور دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اس کا مقدر ٹھہرا۔ اگر انبیاء کرام علیہ السلام کے خوف خسارہ کا جائزہ لیا جائے تو انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندے ہونے کے باوجود سب سے زیادہ خوف خسارہ رکھنے والی ہستیاں تھیں۔ ان کا یہ خوف کسی گناہ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ان کے بلند ترین مقام تقویٰ، احساس عبدیت، اور اللہ کی عظمت کے عمیق شعور کی وجہ سے تھا۔ انبیاء سے جب بھی کوئی بھول ہوئی تو انہوں نے اللہ سے رحمت اور مغفرت طلب کی جیسے حضرت آدم اور نوح علیھم السلام کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح صالح علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے آباؤ اجداد کے مذہب پر واپس آنے کی دعوت دی تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ پھر مجھے اللہ کی پکڑ سے کون بچائے گا' تم تو صرف میرے خسارے میں اضافہ کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کیلئے خوف خسارہ نظر آتا ہے اور جب بنی اسرائیل سامری کی باتوں میں آکر ایک بچھڑے کی پوجا کرنے لگے اور جب انہیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا تو انہوں نے بھی خسارے کے خوف سے اللہ سے مغفرت اور رحمت طلب کی۔

حوالہ جات

1. الکھف۱۸: ۱۰۳-۱۰۶
2. محمد عاشق الٰہی، مولانا، مفتی، انوار البیان، (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۲۴ھ)، ج۳، ص ۳۲۱
3. اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن،، (لاہور: مکتبہ خدّام القرآن، سن اشاعت ندارد)، ج۴، ص ۳۹۱
4. یونس۱۰: ۴۵
5. بغوی، حسین بن مسعود، الفراء، امام الکبیر، معالم التنزیل، (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۳۶ھ)، ج۳، ص ۳۶
6. دریابادی، عبد الماجد، مولانا، تفسیر قرآن، (کراچی: مجلس نشریات قرآن، ۱۹۹۸ء)، ج۲، ص ۴۶۲
7. سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، (لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۹۹ء)، ج۵، ص ۳۷۱
8. الانعام۶: ۳۱
9. سواتی، عبد الحمید، مولانا، صوفی، معالم العرفان فی دروس القرآن، (گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۷ء)، ج۷، ص ۹۵
10. غافر۴۰: ۸۵
11. اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن،، (لاہور: مکتبہ خدّام القرآن، سن اشاعت ندارد)، ج۶، ص ۲۸۶
12. سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، (لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۹۹ء)، ج۱۰، ص ۴۲۵
13. الانعام۶: ۱۲

14. محمد عاشق الٰہی، مولانا، مفتی، انوار البیان، (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۲۴ھ)، ج۳، ص ۱۹۲
15. الاعراف ۷:۵۳
16. اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء)، ج۳، ص ۲۷۳
17. شوریٰ ۴۲:۴۴-۴۵
18. قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن، مترجم: شیرازی، معروف شاہ، سید، (لاہور: ادارہ منشورات اسلامی، ۱۹۹۸ء)، ج۵، ص ۷۹۳
19. الاسراء ۱۷:۸۲
20. سواتی، عبد الحمید، مولانا، صوفی، معالم العرفان فی دروس القرآن، (گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۷ء)، ج ۱۲، ص ۲۴۰
21. قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن، مترجم: شیرازی، معروف شاہ، سید، (لاہور: ادارہ منشورات اسلامی، ۱۹۹۸ء)، ج۴، ص ۴۴۱
22. النمل ۲۷:۴-۵
23. اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، ، (لاہور: مکتبہ خدّام القرآن، سن اشاعت ندارد)، ج۵، ص ۳۱۰
24. الطلاق ۶۵:۹
25. التوبۃ ۹:۶۹
26. الاعراف ۷:۹۰
27. ، مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، سن اشاعت ندارد)، ج۳، ص ۲۷۷
28. قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن، مترجم: شیرازی، معروف شاہ، سید، (لاہور: ادارہ منشورات اسلامی، ۱۹۹۸ء)، ج۲، ص ۱۲۶۱
29. محمد شفیع، مولانا، مفتی، معارف القرآن، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۰۸ء)، ج۳، ص ۶۳۰
30. المؤمنون ۲۳:۳۱-۳۴
31. مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، سن اشاعت ندارد)، ج۳، ص ۲۷۷
32. اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء)، ج۵، ص ۳۱۸
33. الانبیاء ۲۱:۷۰
34. سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، (لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۹۹ء)، ج۷، ص ۶۱۲

35. ال عمران۳:۵۴
36. المائدہ۵:۳۰
37. سواتی، عبدالحمید، مولانا، صوفی، معالم العرفان فی دروس القرآن، (گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۷ء)، ج۶، ص ۱۷۷
38. سواتی، عبدالحمید، مولانا، صوفی، معالم العرفان فی دروس القرآن، (گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۷ء)، ج۶، ص ۱۸۳
39. الاعراف۷:۵۳
40. سواتی، عبدالحمید، مولانا، صوفی، معالم العرفان فی دروس القرآن، (گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۷ء)، ج۸، ص ۸۶
41. محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ج۲، ص۲۱
42. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، الجامع، مترجم: بدیع الزمان، علامہ، مولانا، (لاہور: نعمانی کتب خانہ، ۲۰۱۲ء)، قیامت کے بیان میں، باب: فضل کلی قریب هین سهل، رقم الحدیث: ۲۴۹۹
43. الاعراف۷:۱۲
44. الحجر۱۵:۳۹
45. الاعراف۷:۱۴۹
46. ابن کثیر، عمادالدین، حافظ، تفسیر قرآن العظیم، (لاہور: اسلامی کتب خانہ، سن اشاعت ندارد)، ج۲، ص۳۵۰
47. سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، (لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۹۹ء)، ج۴، ص۳۳۸
48. المائدہ۵:۲۱
49. دریابادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر قرآن، (کراچی: مجلس نشریات قرآن، ۱۹۹۸ء)، ج۱، ص۸۸۶
50. محمد عاشق الٰہی، مولانا، مفتی، انوار البیان، (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۲۴ھ)، ج۳، ص۶۸
51. نوح۷۱:۲۱۔۲۳
52. اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء)، ج۸، ص۶۰۲
53. محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ج۵، ص۳۷۸
54. نوح۷۱:۲۶۔۲۷
55. ھود۱۱:۴۶۔۴۷

56. مودودی،ابوالاعلیٰ،سید، تفہیم القرآن،(لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، سن اشاعت ندارد)،ج ۲، ص ۳۴۴

57. سواتی،عبدالحمید،مولانا،صوفی،معالم العرفان فی دروس القرآن،(گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن،۲۰۰۷ء)،ج ۱۰، ص ۴۱۸

58. محمد کرم شاہ،پیر،ضیاءالقرآن،(لاہور:ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء)،ج ۲، ص ۳۶۵

59. الشعراء۲۶:۲۱۴

60. مسلم بن حجاج،الجامع الصحیح،مترجم: جلالپوری، محمد یحیٰ،سلطان محمود،پروفیسر،(ممبئ: دار العلم،۲۰۱۵ء)،کتاب الایمان،باب في قوله تعالى: {وانذر عشيرتك الاقربين}،رقم الحدیث:۵۰۱

61. ھود۱۱:۶۳

62. سعیدی،غلام رسول،علامہ،تبیان القرآن،(لاہور: فرید بک سٹال،۱۹۹۹ء)،ج ۵، س ۵۷۶

63. محمد کرم شاہ،پیر،ضیاءالقرآن،(لاہور:ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء)،ج ۲، ص ۳۷۳